© rasailojaraid.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

نظرات

تمام تر تمام مسلمان ملک، جن کا شمار ترقی پذیر (DEVELOPING) ملکوں میں ہوتا ہے، اور جو اپنی ترقی کے لیے ترقی یافتہ (DEVELOPED) ملکوں کے محتاج ہیں، آج کل زندگی کے نہایت ہی پیچیدہ، بڑے ہی اہم و نازک اور بہت حد تک خطرناک دور سے گزر رہے ہیں۔ غیر ملکی تسلط کے زمانے میں ان کی تمام تر توجہ اجنبی حکمرانوں سے آزادی حاصل کرنے پر مرکوز تھی اور خود اُن کے اندر جو دیرینہ خرابیاں تھیں، جن کی وجہ سے کہ وہ صدہا سال کی آزادی کے بعد غیروں کے غلام ہو گئے تھے، ان کی طرف نظریں کم جاتی تھیں اور جن بنیادی تضادات سے ان کی پوری زندگی عبارت تھی، اُن کا انہیں زیادہ شعور نہ تھا۔ ان ملکوں میں قحط پڑتا تو اس کا سارا الزام غیر ملکی حاکموں کو دیا جاتا۔ فقر و فاقہ، افلاس، پس ماندگی، تعلیم و حفظانِ صحت کے انتظامات کا ناکافی ہونا، بے کاری اور اس طرح دوسری ایک ہزار ایک اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی کمزوریوں کا ذمہ دار اسی غیر ملکی اور غیر مسلم حکومت کو گردانا جاتا تھا۔

دنیائے اسلام کی سیاسی آزادی کے بعد یہ صورت حال یکسر بدل گئی ہے۔ اب مسلمان ملکوں کی جملہ کمزوریاں اور خرابیاں اور ان کی زندگی کے بنیادی تضادات سطح کے اوپر آ گئے ہیں اور اُن کی حکومتوں کو ان تمام ذمہ داریوں کا بار اٹھانا پڑ رہا ہے، جنہیں ہم غیر ملکی حاکموں کے سر تھوپ کر خود کو بری الذمہ محسوس کیا کرتے تھے۔

ہر مسلمان ملک کے لئے سب سے پہلا مسئلہ اس کے دفاع کا ہے اور دفاع کے لئے تربیت یافتہ فوجوں اور جدید ترین اسلحہ کے علاوہ صنعتی ترقی اور ان کے علاوہ پوری قوم کو بلا امتیاز مرد اور عورت کے منظم کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی ایک مختصر سی آبادی کے خلاف چھ سات عرب ملکوں کی فوجیں اس لئے کچھ نہ کر سکیں کہ اسرائیل کا ہر مرد اور عورت اپنی اپنی جگہ منظم تھا برخلاف عربوں کے کہ ان کی فوجوں تک میں صحیح تنظیم نہ تھی۔ آج اس زمانے میں، واقعہ یہ ہے اس قسم کی ہر جہتی تنظیم کے بغیر کسی ملک کا دفاع ناممکن ہے چنانچہ جہاں سپاہی اگلے مورچوں پر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں، وہاں عقب میں قوم کا ہر ہر فرد ایک تنظیم کے تحت اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کر کے ان کی پشت بانی کرتا ہے۔ اور اس طرح پوری قوم "بنیان مرصوص" بن جاتی ہے۔

آج ہمارے ہاں مذہب کے نام سے قوم کی اجتماعی زندگی کی سرگرمیوں سے مسلمان عورتوں کو علیحدہ رکھنے کے بارے میں جن خیالات کا بڑے زور شور سے پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے، ان کے ہوتے اس کی توقع کرنا کہ ہم اپنے آپ کو اس طرح منظم کر سکیں گے، ایک خام خیال ہے۔

ہماری دوسری اہم ضرورت صنعتی اور صنعتی کے ساتھ زرعی ترقی کی ہے۔ اور اس کے لئے ایک تو سرمایہ چاہیئے اندرون ملک سے بھی اور باہر سے بھی قرضوں کی شکل میں۔ اور دوسرے ٹیکنیکل مہارت، جس کے لئے اندرون ملک ہمیں سائنسی اور ٹیکنیکل تعلیم کو عام کرنا ہوگا اور اس سلسلے میں قوم میں سائنسی اور ٹیکنیکل رجحان و ذہن کی بھی نشو و نما کرنا ہوگی۔ نیز باہر سے ماہرین کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی۔ اب اندرون ملک سے صنعتی و زرعی ترقی کے لئے ضروری سرمایہ فراہم کرنے کے ضمن میں گزشتہ چند سالوں میں ہمارے ہاں بنک کاری کے شعبوں میں جو ترقی ہوئی ہے۔ اور کس طرح گھروں میں بے کار پڑا ہوا اور استعمال میں نہ آنے والا روپیہ بنکوں کے ذریعہ ملک کی تعمیر و ترقی میں لگ رہا ہے اور اس کے ساتھ قوم کے ہزارہا نوجوانوں کو روزگار بھی مل گیا ہے۔ ایک طرف تو یہ حقیقت واقعی ہے، اور دوسری طرف ایک خاص طبقہ ہمارے ہاں یہ ثابت کرنے میں سرگرم کار ہے کہ اسلام کی رو سے بنکوں میں نوکری کرنا ناجائز ہے۔ بنک کا تمام کاروبار "ربا" کے حکم میں آتا ہے، اس لئے یہ سرتاسر حرام ہے اور آیت کریمہ فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ کا مصداق ہے۔

سائنسی اور ٹیکنیکل تعلیم کے لئے مخصوص ذہنی ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب جہاں ہمارے سکول کالج اور یونیورسٹیاں اس ذہنی ماحول کو پیدا کرنے میں بہت حد تک ممد و معاون ہیں، وہاں وہ حضرات جن کا ملک کی مذہبی زندگی پر اثر ہے، ان کی ایک بڑی تعداد مساجد کے منبروں، دینی مدارس کے درس و تدریس اور جلسوں کی تقریروں سے ایک ایسا ذہنی ماحول پیدا کرنے میں بڑے جوش و خروش سے کوشاں ہے، جو سائنسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ٹیکنیکل رجحان کی ضد ہے اور جس میں اس کا نشو و نما پانا قریب قریب ناممکن ہے۔

آزادی کے ان اٹھارہ سالوں میں ہماری معاشرتی زندگی میں کافی تبدیلیاں آئی ہیں۔ اور یہ تبدیلیاں اوپری نہیں کہ محض یورپ کی تقلید میں ایک خاص طبقے میں آگئی ہوں۔ اپنوں کے جبر و استبداد اور غیروں کی غلامی کے بعد جب آزادی آتی ہے تو قوم کا ہر فرد اس آزادی سے مستفید ہونا چاہتا ہے، اور وہ اپنے لئے مساوی حقوق کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ دوسرے ایک ملک میں جب کارخانے لگتے ہیں اور لاکھوں آدمی ان میں کام کرنے کیلئے نقل مکانی کرکے نئی جگہوں میں آباد ہوتے ہیں، تو ان کی معاشرت بدل جاتی ہے اور اس کے ساتھ مردوں اور عورتوں کے باہمی طبقاتی تعلقات میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ ایک دیہی معاشرے میں ان تعلقات کی اور نوعیت ہوتی ہے اور غیر صنعتی شہری معاشرے میں کچھ اور، لیکن جب صنعتوں کو فروغ ہونے لگتا ہے تو ان تعلقات کے بندھن قدرے ڈھیلے پڑجاتے ہیں اور خاوند کے مقابلے میں بیوی بھی کچھ حقوق مانگتی ہے، جو نئے حالات کے تحت ضروری ہوتے ہیں۔

اسی صورت حال کے پیش نظر پاکستان میں عائلی قوانین نافذ کئے گئے، جو ہماری تبدیل شدہ معاشرتی زندگی کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اور یہ عائلی قوانین کسی طرح بھی دین اسلام کے اصول و مقاصد کے خلاف نہیں۔ اب ان عائلی قوانین کی بڑے شدّ و مدّ سے مخالفت کی جاتی ہے، اور مذہب کے نام سے کی جاتی ہے اور اس کی مخالفت میں پیش پیش ہمارے علماء کرام ہی کا ایک بڑا حصّہ ہے۔

آج بہت سے دوسرے ملکوں کی طرح پاکستان کو بھی غیر منضبط اضافۂ آبادی کا سنگین مسئلہ درپیش ہے۔ اگر ہمارے ہاں اسی طرح آبادی بڑھتی رہی، جس طرح گزشتہ سالوں میں بڑھی ہے تو اس آبادی کی جملہ ضروریات کو پورا کرنا اور اس کی صحت، تعلیم اور رہنے سہنے کو بہتر بنانا تو ایک طرف رہا، اس کے لئے اناج کا انتظام کرنا ناممکن ہوجائے گا۔ اب بھی ہمیں بہت بڑی مقدار میں باہر سے اناج منگوانا پڑ رہا ہے اور وہ زرمبادلہ جس سے ہم کارخانوں کے لئے مشینری درآمد کرسکتے تھے، اب اسے اناج خریدنے پر خرچ کیا جارہا ہے۔ اگر یہی صورت حال رہی تو جیسے جیسے دن گزریں گے، ہم اور زیادہ غریب، اور زیادہ پس ماندہ اور دوسروں کے اور زیادہ محتاج ہوتے جائیں گے۔ اور اس طرح تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود ہماری قومی اور بین الاقوامی حیثیت کم ہوجائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آبادی کے اضافے کو اس حد میں رکھنے کے لئے کہ وہ ملک کے وسائل کی ترقی کے مطابق ہی بڑھے، خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کیا جا رہا ہے۔ ہماری حکومت نے اس کے لئے ایک وسیع پروگرام بنایا ہے۔ اور صدر مملکت اپنی ہر تقریر میں اس کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیتے ہیں، لیکن ہمارے علماء کرام کے ایک بڑے گروہ نے اپنا دن رات کا یہ مشغلہ بنا رکھا ہے کہ وہ حکومت کے اس اقدام کی ہر طرح سے مخالفت کریں۔ پہلے تو عوام کو یہ بتایا جاتا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ہاں اولاد کا سلسلہ سرے سے ہی منقطع ہو جائے۔ پھر اس کے بارے میں فتوے دیئے جاتے ہیں اور خدا اور رسول صلعم کے نام سے خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف عوام کے دلوں میں منافرت پیدا کی جاتی ہے۔ ایک جماعت نے تو جو اسلامی کم اور سیاسی زیادہ ہے۔ لیکن ہے وہ پورے اسلام کے احیاء کی مدعی، خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف ملک گیر مہم شروع کر رکھی ہے جس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ عوام میں حکومت سے نفرت پھیلے اور اس طرح اس جماعت کے لئے اقتدار کی مسند تک رسائی ہو سکے۔

بدقسمتی سے دین کا یہ مصرف اس جماعت کے لئے خاص ہو گیا ہے؛ اور وہ زرعی اصلاحات، بڑی صنعتوں کو قومیانے، جداگانہ اور مخلوط انتخاب، اور خاندانی منصوبہ بندی میں سے ہر ایک کو اس کے لیے آلۂ کار بنانے پر ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔

جہاں تک خاندانی منصوبہ بندی کی شرعی حیثیت ہے، ان حلقوں کی طرف سے عام طور پر اس کے بارے میں کم اور اِدھر اُدھر کی باتیں زیادہ کی جاتی ہیں۔ کیونکہ اس کی شرعی حیثیت تو مسلّم ہے اور اس کی تائید میں صحابہؓ اور ائمہ فقہاء کے اقوال موجود ہیں۔ مثلاً مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے اس ضمن میں اپنے رسالے "اسلام اور ضبط ولادت میں فرانس کی مثال دی ہے۔ فرماتے ہیں:۔ مارشل پیتاں کے الفاظ میں" دوسری عالمگیر جنگ میں نازیوں کے ہاتھوں فرانس کی شکست کا باعث بچوّں کی کمی تھی"۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ اس سے قطع نظر، پیرس ہی کی ۲ر دسمبر کی خبر ہے کہ فرانس میں ۱۹۲۰ء کے قانون کے تحت برتھ کنٹرول کی گولیوں کی فروخت اور اس کے دوسرے ذرائع کے اشتہارات پر جو ممانعت چلی آتی ہے کل ایک خصوصی کمیشن نے اس میں ترمیم کرنے اور خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) کے اصول کو اپنانے پر زور دیا ہے۔ یعنی جب برتھ کنٹرول پر پابندی لگانے کی ضرورت تھی، فرانس کی حکومت نے وہ لگا دی، اور اب جب خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت محسوس ہوئی ہے تو اسے نافذ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ غرض جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے ایک استفسار کے جواب میں لکھا تھا:۔

"بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ برتھ کنٹرول کے سلسلے میں شرع مداخلت کرے۔ یہ ایک خالص طبّی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اجتماعی مسئلہ ہے۔ اگر اصحاب علم محسوس کریں کہ سوسائٹی کے مصالح کے لئے اس کی ضرورت ہے تو ضرور اس کے حق میں رائے دے سکتے ہیں۔ اس طرح کی تمام باتوں کو مصالح مرسلہ میں سمجھنا چاہئے اور ان کا دروازہ پوری طرح باز ہے۔"

اس سلسلے میں ہمارے بعض بزرگوں نے، جو محض اپنی روایتی سادگی کی بناء پر نہ کہ کسی سیاسی غرض کے تحت، خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں قاہرہ میں منعقد ہونے والی مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری کانفرنس کی ایک قرارداد کا حوالہ دیا تھا، جو بقول اُن کے یہ تھی :۔ "اسلام نے کثرت اولاد کی ترغیب دی ہے۔ کیونکہ کثرتِ نسل سے ملّتِ اسلامیہ اجتماعی، اقتصادی اور جنگی لحاظ سے مضبوط اور معزز ہوگی۔ (ہماری حکومت کا نظریہ ہے کہ آبادی کم ہونے سے پاکستان مضبوط ہوگا اور تحدید نسل عین اسلامی نظریہ ہے اور بقول صدر مملکت اس کی مخالفت صرف وہی لوگ کرتے ہیں، جو دوسروں کے خون پر پلتے ہیں")

ہم نے اسی وقت عرض کیا تھا کہ یہ صرف ایک قرارداد ہے جس کا مصر کی حکومت کی عملی پالیسیوں سے دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ صدر ناصر صدر ایوب سے کہیں زیادہ خاندانی منصوبہ بندی پر زور دیتے ہیں۔ اور وہ اپنی تقریروں میں کئی بار کہہ چکے ہیں کہ اگر مصر میں اضافہ آبادی کی یہی رفتار رہی، تو ہم تعمیر و ترقی کی تمام کوششوں کے باوجود اس کی کفالت نہیں کر پائیں گے۔

اتفاق سے ہمارے ہاتھ قاہرہ سے نکلنے والے روزنامہ "الاہرام" کا ۱۲ رمارچ ۱۹۶۶ء کا پرچہ لگ گیا ہے اس اخبار کی حیثیت خالص سرکاری اخبار کی ہے۔ اور اس کے "رئیس التحریر" محمد حسنین ہیکل کے بارے میں یہ مانی ہوئی بات ہے کہ وہ صدر ناصر کے خیالات و آراء کا ترجمان ہے۔ الاہرام کے اس پرچے کے آخری صفحے پر چار تصویریں ہیں۔ ایک تصویر کے نیچے لکھا ہے :۔ سوشل ماہرہ (اخصائیہ اجتماعیہ) ان ماؤں کے نام لکھ رہی ہے جو پوری طرح قائل ہونے کے بعد خاندانی منصوبہ بندی پر آمادہ ہیں۔ دوسری تصویر کے نیچے لکھا ہے :۔ لیڈی ڈاکٹر (طیبہ) کسان عورتوں کے سامنے تنظیم نسل کے جدید طریقے کی وضاحت کر رہی ہے۔ تیسری تصویر میں ایک ماں اور اُس کے چھ بچے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ بہتر مستقبل کے لئے "اللوب" کا استعمال چاہتی ہے۔ اور چوتھی تصویر کے نیچے کی عبارت کا یہ ترجمہ ہے :۔ فاطمہ حسن خضیر۔ ایک کسان عورت جس کے اپنے خاوند سے جو ایک ورکر (عامل) ہے اور آٹھ پونڈ تنخواہ پاتا ہے، بارہ بچے ہیں۔ اسے زیادتی نسل کو روکنے میں "اللوب" سے فائدہ پہنچا ہے۔ اور اُس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خاندانی مشکل حل ہوگئی ہے۔

یہ مصر میں سب سے زیادہ چھپنے والے اخبار کی صرف ایک اشاعت کی تصویریں ہیں، جو اتفاق سے ہمیں مل گیا۔ ان کے اوپر یہ جلی عنوان دیا گیا ہے :- "۱۰ اطباء یبدأون تجربة رائعة فی الشرقیة" (صوبہ شرقیہ میں چھ طبیب ایک شاندار تجربے کی ابتداء کر رہے ہیں۔) معلوم نہیں اور اخبارات و رسائل اور دوسرے ذرائع سے خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں وہاں کس وسیع پیمانے پر اور کتنے مؤثر طریقوں سے پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اور یہ اس لئے کہ مصر میں اضافہ آبادی کا مسئلہ ہم سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔

یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ اجتماعی سرگرمیوں میں عورتوں کی شرکت کا معاملہ ہو، زمین کی ملکیت کو محدود کرنے کی ضرورت ہو، نکاح، طلاق اور وراثت کے قوانین میں ضمنی سی ترمیم در پیش ہو۔ بنکوں کی ترویج کا مسئلہ سامنے ہو، آبادی کے اضافہ کو ایک حد میں رکھنے کی بحث ہو، یا اس طرح کے کوئی اور مسائل ہوں، جن کے بارے میں وقت کی بدلتی ہوئی ضرورتیں کچھ تقاضے کرتی ہوں اور ان کے متعلق کوئی اقدام کرنا لازمی ہو، تو ہمارے قدامت پسند اور روایت پرست طبقے اور بالخصوص ہمارے علمائے کرام سدّ سکندری بن کر سامنے آجاتے ہیں۔ وہ ہر ایسے اقدام کی، جو ملک و قوم کے مصالح کے لئے بے حد ضروری ہوتا ہے، مخالفت کرتے ہیں اور اس کے خلاف مذہب کی پوری قوتوں کے ساتھ محاذ قائم کر دیتے ہیں۔

آخر ایسا کیوں ہے ؟

پشاور یونیورسٹی کی سولھویں سالانہ کانووکیشن سے خطاب کرتے ہوئے جناب الطاف گوہر سیکرٹری وزارت اطلاعات حکومت پاکستان نے ملک میں آئے دن اس طرح کے معرکہ ہائے کارزار گرم ہونے کے اصل محرک پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے کہا :-

"روایت کے دائرے میں جدید اور قدیم میں لڑائی ہو رہی ہے۔ زندگی کے جو بھی تخلیقی دوائر ہیں، ان سب میں روایت اور بغاوت کی قوتیں برسرکار ہیں۔ اور اتفاق سے ہمارا موجودہ معاشرہ روایتی تصوّرات و نقطہ ہائے نظر کے بہت زیادہ زیر اثر ہے۔ ان روایت پرست قوتوں کو ایک طاقت ور طبقے کی تائید حاصل ہے، جو ہر قسم کی نئی روایت کی مخالفت کرتا ہے اور اسے الحاد قرار دیتا ہے۔"

موصوف کے نزدیک اب زندگی میں اگر کوئی قابلِ ذکر اضافہ کرنا ہے تو لازمی ہے کہ پہلوں سے کوئی نئی راہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکالی جائے، اور اس طرح آدمی الحاد کا مرتکب ہو۔ اس کے بغیر کسی نئی بات کا ہونا کیسے ممکن ہے۔ جب ہر نئی بات بدعت کہلائے اور ہر بدعت کو ضلالت قرار دیا جائے تو یقیناً ہر نئی بات کے لئے ضلالت کا ارتکاب کرنا پڑے گا اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ زندگی کا دھارا کس سے رُکا ہے۔ مانا کہ آج ہمارے ہاں اس کو روکنے والے قدرے طاقت ور ہیں لیکن تاکے۔ یونیورسٹیاں، کالج اور اسکول جو نئی نسل پیدا کر رہے ہیں۔ اور جس سرعت سے اور جتنے وسیع پیمانے پر صنعتی ترقی ہو رہی ہے اور اس سے پورے معاشرے میں جو ذہنی اور سماجی انقلاب آ رہا ہے، وہ ان طبقات کو راستے سے ہٹا کر رہے گا۔

اگر روایت بغاوت کے سامنے سدّ سکندری نہ بنے، بلکہ اس سیلاب کے لئے وہ دونوں کناروں کی اونچی دیواریں بن جائے تاکہ وہ اِدھر اُدھر پھیلنے کے بجائے سیدھی راہ بڑھ سکے، تو یہ روایت پرستی ایک رحمت ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہو رہا۔

جناب الطاف گوہر نے اپنے کانووکیشن ایڈریس میں علماء کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

"بے شک علماء کو اسلام کی تعبیر و تشریح کا حق حاصل ہے، لیکن انہیں یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ اس بارے میں قطعی فیصلہ کرنے والے ہوں اور ان کی حیثیت حرف آخر کی ہو۔"

موصوف نے اپنے سامعین، یونیورسٹی کے نوجوان طالب علموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں بھی اسلام کی تعبیر و تشریح اور خود غور و خوض کر کے اسے سمجھنے کا حق حاصل ہے۔ اسلامی قانون تعزیرات پاکستان جیسا ضابطۂ قانون نہیں کہ اس کی صرف قانونی پیشے کے لوگ ہی تعبیر کر سکیں۔ اسلام کا ضابطۂ قانون تمہاری پوری زندگی ہے اور تمہیں اس کی تعبیر اور موجودہ حقائق کی روشنی میں اسے عملی تشکل دینے کا اپنا حق منوانا چاہیئے۔ اس ضمن میں وہ اصول اور معتقدات جن پر یہ ضابطۂ قانون مبنی ہے۔ ان کو ہمیں ابدی و دائمی ماننا ہو گا۔

✱✱✱✱✱

© rasailojaraid.com